

زکوٰۃ کے مصارف اور عصری مسائل

مفتی محمد رفیق الحسنی

گزشتہ سے پیوستہ

حاجتِ اصلیه میں حضرت حسنؓ کی روایت:

حضرت حسن بصری سے روایت ہے آپ نے فرمایا صحابہ کرامؓ ان لوگوں کو زکوٰۃ دے دیا کرتے تھے جو دس ہزار درہموں کے سلمہ اور گھوڑوں اور خادموں کے مالک ہوتے تھے کیونکہ یہ اشیاء حاجاتِ اصلیه میں داخل تھیں جن کا انسان کے پاس ہونا لازم ہوتا ہے۔ (ص: ۲۹۶/۳)

متعدد دوکانوں اور مکانوں اور باغات کا مالک بھی فقیر ہو سکتا ہے:

فتاویٰ کی کتابوں میں مذکور ہے وہ شخص جس کی ملکیت میں متعدد دوکانیں اور مکانات کرایہ پر چڑھانے کے لئے موجود ہیں لیکن ان سے حاصل کرایہ آمدنی اس پر اور اس کے عیال پر کافی نہیں ہوتی وہ فقیر ہے۔ امام محمد کے نزدیک ایسے آدمی کو زکوٰۃ لینا جائز ہے مگر امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اسے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے اور اس امر میں اتفاق ہے کہ اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے قول پر فتویٰ ہونا چاہیے کیونکہ دوکانوں اور مکانوں کی مالیت سے مالک غنی ہو جاتا ہے اگرچہ کرایہ سے آمدنی اخراجات کے لیے کافی نہیں ہوتی کیونکہ کرایہ پردی گئی دوکانیں اور مکانات حاجاتِ اصلیه میں داخل نہیں ہیں۔

اگر کسی آدمی کی ملکیت میں باغ ہے مگر اس کی آمدنی اس پر کافی نہیں ہے یعنی بچت نہیں ہوتی اور ایک آدمی کے پاس اناج موجود ہے جس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی سے زائد ہے مگر وہ ایک سال کے اخراجات سے زائد نہیں ہے وہ فقیر ہے کیونکہ باغ کی آمدنی اور سال بھر کے لیے اناج حاجاتِ اصلیه میں داخل ہیں۔ چنانچہ خود سرورد عالم رحمۃ اللہ علیہ ایک سال کا اناج اپنے اہل و عیال کے لئے ذخیرہ فرماتے تھے اگر کسی کے پاس بڑا مکان ہے جس کے سارے کمروں میں رہائش نہیں ہوتی وہ بھی حاجتِ اصلیه میں داخل ہے۔ رد المحتار میں ہے:

”وفیہا عن الصغریٰ لہ داریس کنہا لکن تزیید علی حاجتہ بان لایسکن الکمل یحل لہ اخذ الصدقة فی الصحیح“ (ص: ۲۹۶/۳)

اسی میں فتاویٰ صغریٰ سے منقول ہے کہ کسی آدمی کا ایسا (بڑا) گھر جس میں وہ رہائش رکھتا ہو مگر وہ یوں اس کی ضرورت سے زائد ہو کہ وہ سارے مکان میں نہ رہتا ہو، اسے صحیح روایت میں صدقہ لینا جائز ہے۔

فتاویٰ کی فقہی کتب میں مذکور ہے امام محمد سے ایسے آدمی کے متعلق پوچھا گیا جس کی ملکیت میں زمین ہے وہ اس زمین میں فصل کاشت کرتا ہے یا دوکان ہے اس سے آمدنی حاصل کرتا ہے یا گھر ہے جس کی آمدنی تین ہزار درہم یا دینار ہے مگر وہ آمدنی اس کے لئے اور اس کے عیال کے سال بھر نفقہ کے لئے کافی نہیں ہوتی۔ یعنی بچت نہیں ہوتی۔ تو امام محمد نے فرمایا:

”یحل لہ اخذ الزکوة وان کانت قیمتھا الوفاء علیہ الفتویٰ وعندہما لایحل .اہ
ملخصاً“

ترجمہ: اس آدمی کے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہے اگرچہ ان کی قیمت کئی ہزار درہم ہو اور اسی پر فتویٰ ہے اور شیخین کے نزدیک حلال نہیں۔ ملخص۔ (رد المحتار ص: ۲۹۶/۳)

الحاصل تنخواہ یا مملوکہ اثاثوں سے آمدنی لاکھوں اور کروڑوں روپے ہو مگر سال بھر ذاتی اہل و عیال کے اخراجات میں صرف ہو جائے۔ تینوں اماموں کے نزدیک ایسے آدمی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی مگر اس کے زکوٰۃ لینے میں اختلاف ہے۔ اور اگر مکانات یا دوکانیں جن سے آمدنی ہوتی ہے حاجات اصلیہ سے زائد ہیں اگر ان کی مالیت اور قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس سے زائد ہو تو وہ غنی ہوتا ہے اس میں شیخین کے قول پر فتویٰ ہے اسے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

جہیز پر زکوٰۃ کا حکم:

بیوی کو جو کچھ مالکانہ حقوق کے ساتھ جہیز میں ملتا ہے اگر اسے گھر کے لئے اثاثے اور استعمال کے لئے کپڑے اور برتن ملے ہیں وہ عورت صرف جہیز کی وجہ سے غنیہ نہیں ہوگی اور اگر اس کو سونے اور چاندی کے زیور یا حاجت اصلیہ سے زائد زینت کے لیے جواہر یا سونے اور چاندی کے علاوہ دوسری دھاتوں کے زیورات حاصل ہوئے ہیں جن کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی یا زائد ہے تو وہ غنیہ

ہو جائے گی کیونکہ زیورات حاجات اصلیہ میں داخل نہیں ہیں یہی حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور رد المحتار کے نزدیک سونے اور چاندی کے علاوہ دوسری اشیاء سے تیار کردہ زیورات حاجت اصلیہ میں داخل ہیں دوسری دھاتوں سے بنائے گئے زیورات کی وجہ سے وہ عورت غنیۃ نہیں ہوگی۔ چنانچہ رد المحتار میں ہے:

”حاصله ثبوت الخلاف من ان المحلی غیر النقدین من الحوائج الاصلیة“ (ص: ۲۹۶/۳)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سونے اور چاندی کے زیورات کے علاوہ زیورات حاجت اصلیہ میں داخل ہیں یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ زینت کے لئے استعمال ہونے والے زیورات کسی بھی دھات کے ہوں وہ حاجت اصلیہ میں داخل نہیں ہیں جیسے امام حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (محمد رفیق حسنی)

۳۔ بنی ہاشم کا حکم:

بنی ہاشم یعنی حضور ﷺ کے جد امجد حضرت ہاشم رحمہ اللہ کی اولاد زکوٰۃ نہیں لے سکتی انہیں زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ فقیر یتیم، مذکور اور مؤنث سب بنی ہاشم کے لئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے مگر وہ بنی ہاشم جن کی قرابت اور رشتہ داری خود جناب سرور دو عالم ﷺ نے باطل کر رکھی ہو جیسے ابولہب اور اس کی اولاد وہ زکوٰۃ لے سکتے ہیں۔ اگر ابولہب کی اولاد میں سے کوئی شخص مسلمان ہو اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے کیونکہ ابولہب ایسا کافر تھا جس کی قرابت حضور علیہ السلام نے باطل فرمادی تھی حدیث شریف میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

”لا قرابة بینی و بین ابی لہب فانہ اثر علینا الافجریں“

ترجمہ: میرے اور ابی لہب کے درمیان قرابت نہیں ہے کیونکہ اس نے ہمارے اوپر افجر (زیادہ فاجر) اور کافروں کو ترجیح دی۔ (رد المحتار ص: ۲۹۹/۳)

جناب سرور دو عالم ﷺ کے چوتھے دادا حضرت عبد مناف کے چار بیٹے تھے ہاشم اور مطلب اور نوفل اور عبد شمس پھر حضرت ہاشم کے چار بیٹے تھے باقی بیٹوں کی نسل ختم ہو گئی مگر حضرت عبدالمطلب زندہ رہے اور آپ کے بارہ بیٹے تھے ان کی اولادوں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے بشرطیکہ مسلمان

اور فقیر ہوں مگر آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ اور حضرت عباس اور حارث کی اولاد اور حضرت ابوطالب کی اولاد میں سے حضرت علیؑ اور حضرت جعفر طیار اور حضرت عقیل کی اولادوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ (ردالمحتار۔ ص: ۲۹۹/۳)

یہ حکم سب زمانوں اور حالتوں میں ہے کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے حتیٰ کہ بنی ہاشم ایک دوسرے کو بھی زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ (ردالمحتار)

بنی ہاشم کے لئے زکوٰۃ کے عوض خمس النخس مقرر تھا مگر صدیوں سے خمس النخس باقی نہیں رہا اگر جہاد کے علاوہ معدنی اور صحرائی خزانوں کا خمس نکالنے کا انتظام بھی ہوتا فقراء میں سے سادات کرام فقراء کی مدد ہو سکتی تھی مگر انہوں کسی اسلامی ملک میں ایسا انتظام نہیں ہے اور جہاد مسلمانوں کی کمزوری کی وجہ سے صدیوں سے موقوف ہے اور غنائم کا سلسلہ بند ہو چکا ہے۔

سادات کو زکوٰۃ دینے کے جواز کی روایت:

ابو عصبہ کی امام اعظم سے ایک روایت ہے انہوں نے فرمایا ہمارے زمانہ میں فقراء بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ بنی ہاشم ایک دوسرے کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں مگر ہمارے علماء نے فتویٰ مطاقاً عدم جواز پر دیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (ردالمحتار)

بنی ہاشم کے مملوکہ یا آزاد کردہ موالی اور غلاموں کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے کیونکہ جناب سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا: **مولى القوم منهم** (رواہ ابوداؤد) قوم کا غلام قوم سے ہوتا ہے یعنی بنی ہاشم کے غلام کا حکم بنی ہاشم والا ہوگا۔

فائدہ: کیا دوسرے انبیاء علیہم السلام اور ان کے لئے زکوٰۃ حلال تھی یا نہ اس میں اختلاف ہے۔ نہر الفائق میں اس قول پر اعتماد کیا گیا ہے کہ انبیاء عظام علیہم السلام کے لئے زکوٰۃ حلال نہیں تھی لیکن ان کی اولادوں اور ان کے رشتہ داروں کے لئے حلال تھی۔ (ردالمحتار)

سادات کرام پر نفلی صدقہ اور وقفی صدقہ جائز ہے:

بنی ہاشم کے لئے نفلی صدقات تو حلال ہیں مگر اوقاف سے حاصل آمدنی بھی حلال ہے یا نہیں اس میں تفصیل ہے۔ محققین علماء کے نزدیک اوقاف کی آمدنی سادات کے لئے زکوٰۃ حلال نہیں تھی بنی ہاشم کا نام لے یا نہ لے۔ صاحب فتح القدیر کی بھی تحقیق یہی ہے مگر علامہ شامی نے درج ذیل

تفصیل کو ترجیح دی ہے کہ اگر واقف نے بنی ہاشم کا نام لیا تو جائز ہے مثلاً واقف نے کہا میرا مال اہل بیت النبی ﷺ کے لئے وقف ہے اور اہل بیت النبی ﷺ محدود گنتی کے افراد ہیں تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ وصیت اور احسان اور صلہ رحمی ہے صدقہ واجب نہیں ہے۔ لہذا واقف شدہ مال سیدہ فاطمہؓ کی اولاد پر صرف کیا جائے گا اور اگر واقف نے فقراء کا لفظ استعمال کیا تو اس وقف سے بنی ہاشم کو نہیں دیا جائے گا کیونکہ اب وقف صدقہ واجبہ کے حکم میں ہوگا لہذا بنی ہاشم کے فقراء کو نہیں دیا جائے گا۔ (رد المحتار) لہذا مطلق فقراء اور غیر فقراء پر وقف شدہ اموال سے سادات فقراء کو دینا جائز ہے کیونکہ آج کل وقف صدقہ واجبہ کے حکم میں نہیں ہوتا۔ لہذا محققین کے قول پر فتویٰ ہوگا۔ ہمارے زمانہ کے عرف میں فقراء کا لفظ سادات کے فقراء کو بھی شامل ہوتا ہے۔ گویا واقف نے سادات پر بھی وقف کیا ہے۔ (رفیق حسنی)

سیدہ الانبیاء والمرسلین ﷺ کی ازواج مطہرات بھی آل میں داخل ہیں مفتی بہ قول کے مطابق زکوٰۃ اور عشر آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کو دینا بھی جائز نہیں کیونکہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ”انساآل محمد لاتحل لنا الصدقة“ (ص: ۳۰۰/۳) یعنی ہم آل محمد ہیں ہمارے لئے صدقہ جائز نہیں ہے۔

پانچواں غیر مستحق آدمی کافر ہوتا ہے:

کافروں کے دو قسم ہوتے ہیں ذمی اور حربی۔ ذمی کافراں کو کافر کو کہا جاتا ہے جو اسلامی ملک یعنی دارالاسلام میں مقیم ہو اور حکومت کی طرف سے اسے ملک کا رہائشی تسلیم کیا گیا ہو اور حربی کافروں کا ٹھکانہ ہے جو دارالحرب میں مقیم ہو پھر حربی کافر اسلامی حکومت کی اجازت سے اسلامی ملک میں عارضی طور پر آیا ہو تو اس کو مستامن کہتے ہیں اور جو اپنے ملک میں ہو اس کو غیر مستامن کہتے ہیں۔

حربی یا ذمی کافر کو زکوٰۃ اور عشر دینا جائز نہیں ہے جیسا کہ حضرت معاذؓ کی حدیث سے ثابت ہے اور دیگر صدقات واجبہ کفارہ اور نذر اور فطرہ میں امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ ان کا حکم زکوٰۃ کی طرح ہے اس لئے ذمی کافر کو دینا بھی جائز نہیں اور طرفین کا قول یہ ہے کہ صدقہ الفطر وغیرہ دینا جائز ہے مگر فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔ درمختار میں ہے۔ ”وبقوله یفتی“ (حاوی القدسی (ص: ۳۰۱/۳))

کافروں پر نفلی صدقہ جائز ہے:

صدقات نافلہ غیر واجبہ ذمی کافر کو دینا جائز ہے اور اس میں دینے والے کو ثواب ملے گا بلکہ حربی کافر کو بھی نفلی صدقہ دینا اور ان سے ہدیہ لینا جائز ہے علامہ شامی نے نقل فرمایا کہ سیر کبیر میں امام محمد نے فرمایا:

”لاباس للمسلم ان يعطى كافراً حربياً او ذمياً وان يقبل الهدية منه لما روى ان النبی ﷺ بعث خمس مائة دينار الى مكة حين قحطوا و امر بدفعها الى ابی سفیان ابن حرب و صفوان ابن امیة لیفرقها علی فقراء اهل مكة (بخاری ۲۸/۱۲) ولان صلة الرحم محمودۃ فی کل دین و الاهداء الى الغیر من مکارم الاخلاق“ (ص: ۳۰۲/۳)

ترجمہ: مسلمان کے لئے کوئی حرج نہیں ہے کہ کافر ذمی یا حربی کو مال عطا کرے اور اس سے ہدیہ قبول کرے کیونکہ مروی ہے جناب سرور دو عالم ﷺ نے پانچ سو دینار مکہ مکرمہ بھیجے تھے جب اہل مکہ قحط میں مبتلا ہوئے تھے اور آپ ﷺ نے ابوسفیان اور صفوان ابن امیہ کے ہاتھ میں دینے کا حکم دیا تھا تاکہ مکہ کے فہراء پر تقسیم کر دیں اور یہ صلہ رحمی ہے اور صلہ رحمی ہر دین میں محمود ہے اور غیروں (کافروں) کو ہدیہ دینا مکارم اخلاق سے ہے۔

اسی طرح جناب رسول اللہ ﷺ کو سلطان مقوقس نے دو کنیریں ام المؤمنین سیدہ ماریہ اور شیرین اور دلدل گھوڑا اور دیگر تحائف بھیجے تھے اور آپ نے قبول فرمائے تھے۔ لہذا کافر حربی ہو یا ذمی ان کو غیر واجب صدقات میں سے مال دینا اور ان سے لینا جائز ہے۔

کافر ذمی کو جب صدقات واجبہ دینا جائز نہیں تو حربی کو دینا بطریق اولیٰ ناجائز ہے۔ (در مختار اور رد المحتار۔ ص: ۳۰۳/۳)

متفرق مسائل:

کسی نے غور و فکر کے بعد ایک آدمی کو فقیر یا زکوٰۃ کا مستحق سمجھا اسے زکوٰۃ دے دی بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اپنا بی عبد یا مکاتب تھا یا حربی کافر تھا متامن تھا یا غیر متامن تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی وہ شخص دوبارہ زکوٰۃ ادا کرے کیونکہ اپنے عبد اور مکاتب کو زکوٰۃ دینے کی صورت میں زکوٰۃ کا مال زکوٰۃ دہندہ کے ملک سے خارج ہی نہیں ہوا۔ اور حربی کافر کو زکوٰۃ دینے میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی کیونکہ حربی کافر میں زکوٰۃ کے مال

سے احسان مند ہونے کی شرعاً اہلیت ہی نہیں ہوتی۔ (ردالمحتار۔ ص: ۳۰۲/۳)

اور اگر کسی آدمی کو غور و فکر کے بعد زکوٰۃ کا مستحق سمجھ کر زکوٰۃ دے دی گئی مگر بعد میں معلوم ہوا زکوٰۃ لینے والا شخص غنی تھا یا زکوٰۃ کا باپ یا بیٹا تھا یا اس کی بیوی تھی یا باپ یا بیٹا تھا زکوٰۃ ادا ہو گئی اعادہ کی ضرورت نہیں کیونکہ مذکورہ افراد میں زکوٰۃ لینے کی اہلیت ہوتی ہے۔ درمختار میں ہے:

”لانه اتی بما وسعه حتى لو دفع بالانحرولم يجزان اخطا“۔

ترجمہ: اس لئے کہ زکوٰۃ دینے والے نے وہ کیا جو اس کی طاقت میں تھا یعنی تحری میں حتی کہ اگر اس نے بغیر تحری کے زکوٰۃ دے دی تھی اور اس میں خطا تھی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی دوبارہ دینا ہوگی۔
شامی میں ہے:

”قوله لانه اتی بما وسعه ای اتی بالتملیک الذی هو الرکن علی قدر وسعه اذ لیس

مکلفاً اذا دفع فی ظلمة مثلاً ان یسال عن القابض من انت“۔ (ص: ۳۰۳/۳)

یعنی زکوٰۃ دینے والے نے جو اس کی وسعت میں تھا آدمی کو مستحق سمجھ کر تملیک کر دی جو کہ زکوٰۃ کی ادا میں رکن ہے۔ وہ اس امر کا مکلف نہیں ہے کہ جب وہ تاریکی میں زکوٰۃ ادا کرے تو قبضہ کرنے والے سے پوچھے تو کون ہے لیکن زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ تو ادا ہو جائے گی مگر لینے والے کے لئے طیب اور حلال ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ مناسب ہے کہ غیر مستحق لینے والا آدمی مالک کو زکوٰۃ واپس کر دے یا پھر صدقہ کر دے خود نہ کھائے۔ (درمختار ص: ۳۰۲/۳)

اگر زکوٰۃ لینے والا شخص فقراء یا دوسرے مستحقین کے ساتھ بیٹھا ہو یا رہتا ہو جس طرح دینی مدارس میں طلباء اکٹھے رہتے ہیں اور اس کا رہنا سہنا اور لباس مستحقین والا ہو تو یہ بھی بمنزلہ تحری کے ہے لہذا فقراء میں بیٹھنے والے غیر مستحق کو دی گئی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (ردالمحتار)

مساجد اور مدارس اور خانقاہوں میں غیر مستحق افراد کا حکم:

ہمارے زمانہ میں زکوٰۃ کے مستحق اور غیر مستحق کی پہچان بہت مشکل ہو گئی ہے۔

اولاً: زکوٰۃ دینے والے حضرات کو اس مسئلہ کا علم نہیں ہوتا کہ زکوٰۃ کا مستحق کون ہوتا ہے اکثر لوگ سمجھتے ہیں جو شخص زکوٰۃ دینے والے شخص سے کم دولت رکھتا ہو وہ زکوٰۃ کا مستحق ہوتا ہے اپنی زکوٰۃ اسی کو دے دیتے ہیں۔ خصوصاً اپنے رشتہ داروں کو دے دیتے ہیں جبکہ وہ زکوٰۃ کے مستحق نہیں ہوتے مگر زکوٰۃ دہندہ

سے کم مال رکھتے ہیں، اگر ایسا ہو گیا بعد میں معلوم ہوا کہ زکوٰۃ لینے والا زکوٰۃ کے مستحق ہونے کے معیار پر پورا نہیں اترتا تو زکوٰۃ کا اعادہ ضروری ہے، زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، یہ اس لئے کہ مسئلہ کا علم نہ ہونا دارالاسلام میں عذر نہیں ہوتا لہذا عدم علم معاف نہیں ہے۔

ثانیاً: بیسیوں کی تعداد میں لوگ سالکین کی طرح مساجد کے دروازوں پر لائینوں میں موجود ہوتے ہیں یا خانقاہوں اور اداروں میں موجود ہوتے ہیں لوگ انہیں زکوٰۃ کا مستحق سمجھ کر فرداً فرداً زکوٰۃ دے دیتے ہیں یا ان کے متولی کو دے دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اگرچہ لینے والا آدمی غیر مستحق ہو کیونکہ مستحقین کی جگہ یا مستحقین کی صفوں میں بیٹھنا تحری کے قائم مقام ہے اور تحری کے بعد اگرچہ خطا ہو جائے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔

ایک مرتبہ ہمارے کرم فرما ریٹائرڈ ڈی آئی جی بجل ساٹکھڑی صاحب نے یہی مسئلہ دریافت کیا تھا کہ خانقاہوں اور مساجد کے دروازوں پر سینکڑوں لوگ سالکین ہو کر جمع ہو جاتے ہیں، مستحق اور غیر مستحق کا کیسے پتہ چلے گا۔ میں نے عرض کیا زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے کیونکہ فقراء کا لباس یا سواری ہونے کی ہیبت بھی تحری کے قائم مقام ہے مگر مناسب ہے زکوٰۃ دینے والا شخص زکوٰۃ دیتے وقت یہ بتا دے کہ یہ رقم زکوٰۃ کی ہے تاکہ غیر مستحق زکوٰۃ نہ لے لے یہ بتانا جائز ہے یا کاربی نہیں ہے۔

اگر کسی آدمی نے غور و فکر (تحری) کے بغیر کسی کو زکوٰۃ دے دی یا اسے صرف شک ہوا کہ فلاں آدمی زکوٰۃ کا مستحق ہے یا غور و فکر سے اسے غلبہ ظن ہوا کہ فلاں آدمی مستحق نہیں ہے اور زکوٰۃ دے دی اور بعد میں معلوم ہوا وہ مستحق نہیں تھا، زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، دوبارہ دینا ہوگی اور اگر معلوم ہوا وہ مستحق تھا تو زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ (ص: ۳۰۳)

ایک فقیر کو زکوٰۃ کے نصاب کے مساوی یا زیادہ زکوٰۃ دینا مکروہ ہے مگر یہ کہ وہ فقیر مقروض ہو یا صاحب عیال ہو اگر اس کے سب افراد پر تقسیم ہو تو کسی کے حصہ میں نصاب کے مساوی نہ ہو۔ (در مختار ص: ۳۰۳) مگر کسی ایک فقیر کو ایک وقت میں نصاب یا نصاب سے زائد زکوٰۃ دے دی جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

اگر کوئی زکوٰۃ کا مستحق آدمی اپنی بچی کی شادی کرنا چاہتا ہے، اسے نصاب سے زیادہ دینا جائز ہے کیونکہ چاندی کا نصاب تقریباً پینتالیس ہزار روپے بنتا ہے جس سے مستحق کی بیٹی کی شادی کے لئے کچھ بھی نہیں بنتا اس لئے نصاب یا نصاب سے زائد بیک وقت زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے زکوٰۃ ادا

ہو جائے گی۔

اگر کسی شخص نے زکوٰۃ کے مستحق فقیر کو نصاب کے برابر یا زائد زکوٰۃ دے دی اور وہ اس کے پاس جمع ہے خرچ نہیں ہوئی دوسرا آدمی اس فقیر کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا کیونکہ اب وہ فقیر نہیں رہا۔ (ردالمحتار)

اپنے شہر سے دوسرے شہروں کے فقراء کو ترجیح جائز ہے:

زکوٰۃ دینے میں پہلے اپنے شہر میں فقراء کو ترجیح دی جائے دوسرے شہروں کو بھیجتا مکروہ ہے مگر یہ کہ دوسرے شہر کے فقراء رشتہ دار ہوں یا دوسرے شہروں کے فقراء زیادہ محتاج ہوں یا دوسرے شہروں کے لوگ صاحب تقویٰ اور صلاح ہوں یا زکوٰۃ دینے والا دار الحرب میں ہو اور فقراء دارالاسلام میں ہوں یا دوسرے شہروں میں طالب علم ہوں اور زکوٰۃ دینے والے کے شہر میں طالب علم نہ ہوں یا زکوٰۃ سال سے پہلے دینا ہو ان سب صورتوں میں دوسرے شہروں کے مستحقین کو زکوٰۃ بھیجتا جائز بلکہ اولیٰ ہے۔ فتاویٰ معراج میں ہے:

”النصدق علی العالم الفقیر افضل“ یعنی عالم فقیر پر صدقہ کرنا افضل ہے۔ (درمختار ص: ۳۰۴/۳)

حدیث شریف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جناب سرور دوعالم ﷺ نے فرمایا:

”بإمامة محمد والذى بعثنى بالحق لا يقبل الله صدقة من رجل له قرابة محتاجون الى صلته ويصرفها الى غيرهم والذى نفسى بيده لا ينظر الله اليه يوم القيامة.“ (بخوالہ طبرانی ص: ۳۰۴/۳)

ترجمہ: اے امت محمدیہ ﷺ مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا نہیں قبول کرے گا اللہ تعالیٰ اس آدمی کا صدقہ جس کے رشتہ دار اس کے احسان کے محتاج اور فقیر ہوں اور وہ ان کے غیر پر صدقہ صرف کرے اور مجھے قسم اس ذات کی جس کی قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔

محتاج رشتہ داروں میں آدمی کے لئے زکوٰۃ دینے میں افضل بھائی اور بہنیں ہیں پھر ان کی اولادیں پھر آدمی کے چچے اور پھوپھیاں پھر ماموں اور خالائیں پھر ذوی الارحام پھر پڑوسی پھر گلی میں شریک پھر شہر کے فقراء یہ ترتیب اس وقت ہے جب کسی دوسرے میں وجہ ترجیح نہ پائی

اہل بدعت بدعتیہ کرامیہ اور مشبہ معتزلہ اور رافضیہ اور وہابیہ کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں: ”فالمراد ههنا بالبدع المكفورات تامل“ (ص: ۳۰۴/۳) ترجمہ: پس بدعتوں سے مراد وہ اقوال اور افعال ہیں جو مکفورات (کافر بنانے والے) ہوں اور ان کا مرتکب کافر ہو جاتا ہو۔ لہذا ان فرقوں کے افراد کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں جن کے عقیدے کفر کی حد تک پہنچے ہوئے ہوں۔ فرقہ کرامیہ کے لوگ جو ابو عبد اللہ محمد بن کرام کی طرف منسوب ہے صراحت کے ساتھ کہتے ہیں ہمارا معبود عرش پر مستقر اور مستوی ہو کر بیٹھا ہے اور اللہ تعالیٰ کو۔ جو ہر۔ اعتقاد کرتے (سمجھتے) ہیں اور مشبہ ایک فرقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ صفات حادثہ کے قائم ہونے کو جائز سمجھتے ہیں۔ ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے مگر جو یہ فرقے مسلمان کہلاتے ہیں۔

یہی حال غالی رافضیوں اور غالی خارجیوں کے لئے ہے ان کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے آغا خانی شیعہ اور قادیانی اور بوہری شیعہ اور پرویزی اور گستاخ رسول ﷺ اور گستاخ صحابہ کرامؓ و ازواج مطہراتؓ کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

زانی کا اپنی اولاد کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

زانی کا صریح زنا سے پیدا شدہ اپنے بچوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے مگر شبہ زنا سے پیدا شدہ اولاد کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ مثلاً کسی عورت کو خبر دی گئی کہ اس کا شوہر فوت ہو گیا ہے۔ اس نے عدت کے بعد دوسری جگہ نکاح کر لیا اور دوسرے شوہر سے اولاد پیدا ہو گئی حالانکہ پہلا شوہر فوت نہیں ہوا تھا۔ امام ابوحنیفہ کا قول جس کی طرف آپ نے رجوع فرمایا۔ دوسرے شوہر سے اولاد پہلے شوہر کی ہوگی اور پہلے شوہر کا نکاح قائم ہے مگر پہلا شوہر اس اولاد کو زکوٰۃ دے سکتا ہے اور یہ اولاد پہلے شوہر کے حق میں گواہی بھی دے سکتی ہے کیونکہ شبہ حلت کی وجہ سے خالص اولاد نہیں ہوگی۔ (رد المحتار۔ ص ۳۰۵/۳)

سوال کرنے کے احکام:

اگر کسی آدمی کے پاس ایک دن صبح اور شام کھانے کے لئے طعام یا مال موجود ہے جس سے طعام

حاصل کر سکا اس کو اسی دن کے لیے کھانے کی اشیاء کا سوال کرنا جائز نہیں ہے اور اس کی اعانت حرام ہے مگر اگلے دنوں کے لئے حتیٰ کہ اسباب معیشت کا ناکہ سال بھر کے لئے بھی سوال کر سکتا ہے کیونکہ سال بھر کا طعام حاجت اصلیه میں داخل ہے لہذا اسے سال بھر کی ذاتی حاجات کے لئے سوال کرنا جائز ہے۔ (رد المحتار) اسی طرح اگر کوئی شخص صحت مند ہے مزدوری کر سکتا ہے اور مزدوری کا کام بھی مل سکتا ہے جب مزدوری کرنے کے مال سے ایک دن کا طعام حاصل ہو سکتا ہے اس کے لئے بھی طعام کے لئے سوال کرنا حلال نہیں ہے۔ مگر اسے کپڑے یا دوسرے ضروری سامان کے لئے جن کا وہ محتاج ہے سوال کرنا جائز ہے۔

معذور آدمی جو کام نہیں کر سکتا اور بیوہ عورت یا یتیم فقیر حسب حاجت جو چیز ضرورت ہو اس کا سوال کر سکتے ہیں اور جس آدمی کے پاس رہنے کا ذاتی مکان نہیں۔ وہ مکان کے کرائے کے لئے سوال کر سکتا ہے لیکن ذاتی مکان کے لیے سوال نہیں کر سکتا۔ رد المحتار میں ہے:

(قوله للكسوة) "ومثلها جرة المسكن ومرمت البيت الضرورية، لا ما يشتري بيتا فيما يظهر" (ص: ۳۰۶/۳)

یعنی (ماتن کا قول للکسوة) کپڑوں کی مثل گھر کی اجرت اور گھر کی مرمت ضروریہ کے لیے سوال جائز ہے نہ یہ کہ گھر خریدا جائے جیسا کہ ظاہر ہے۔

حقیقی سائل مسجد میں سوال کر سکتا ہے:

مقصود یہ ہے کہ سوال کرنے والا آدمی اگر حقیقی سائل ہو جس چیز کا سوال کر رہا ہے وہ اس کی ضرورت ہو اور اس کے پاس وہ چیز موجود نہ ہو تو اسے سوال کرنا جائز ہے اور حسب سوال اس کو دینا بھی جائز ہے اور باعث ثواب ہے۔ اسی طرح صاحب حاجت حقیقی مسجد میں بھی سوال کر سکتا ہے اور اگر سائل حقیقی سائل نہیں اسے سوال کرنا حرام ہے اور اس کی اعانت کرنا بھی حرام ہے اور وہ مسجد میں سوال نہیں کر سکتا۔ یہ شرائط اس وقت ہیں جب کوئی آدمی اپنی ذات کے لئے سوال کرے۔ مسجد یا مدرسہ کے لیے مسجد میں چندہ کرنا جائز ہے۔ اگر امام یا خطیب یا کسی ادارے کا متولی یا کسی فقیر کا خیر خواہ مدرسہ کے لئے یا مسجد کے لئے یا فقراء کے لئے سوال کرے یہ سوال جائز ہے حتیٰ کہ مسجد میں بھی جائز ہے جیسا کہ سرور دو عالم ﷺ اپنی مسجد میں غزوات کے لئے لوگوں کو مالی تعاون کا حکم فرماتے تھے اور لوگ تعاون

کرتے تھے۔

مجاہد اور طالب علم جو جہاد یا طلب علم میں مشغول ہوں ان کو ہر جگہ مسجد اور غیر مسجد میں سوال کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ سوال حسب حاجت اور بقدر ضرورت کرے۔ (درمختار ۳/۳۰۶)

جس شخص کا سوال کرنا جائز نہیں سوال کرنے کی بنیاد پر اس کی اعلانیہ بھی جائز نہیں کیونکہ یہ تعاون علی الاثم ہے دینے والا اللہ نگہ کار ہوگا۔

گدا گروں کے تعاون کے جواز کا حیلہ:

آج کل گداگری ایک کاروبار بن چکا ہے معذور اور غیر معذور افراد مساجد کے ابواب پر ہر نماز کے ٹائم اور روڈوں کے چورہوں پر روزانہ سوال کرتے پھرتے ہیں یہ لوگ حقیقی حاجت مند نہیں ہوتے گداگری ان کا پیشہ ہے یہ ”امال المسائل فلاںہر“ (لیکن سائل کو نہ جھڑکو) کے حکم میں داخل نہیں ہیں ان کا سوال کرنا ناجائز ہوتا ہے اور ان کا تعاون کرنا بھی جائز نہیں ہوتا مگر یہ کہ ان کو بدیہ یا صدقہ دینے کی نیت کر لی جائے تو جائز ہو سکتا ہے یعنی سوال کی بنیاد پر انہیں نہ دیا جائے بغیر سوال دیا جائے۔ مثلاً سوال کرنے والا سوال کرنے کے بعد مایوس ہو کر دوسری طرف متوجہ ہو جائے اس کے بعد صدقہ کی نیت کر کے اس کی مالی مدد کر دی جائے تو جائز ہو جائے گا اور یہ تعاون علی الاثم نہیں ہوگا۔ (محمد رفیق حسنی)

(نوٹ: لیکن چونکہ اس سے ان کی گداگری پر حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور پھر یہ پیشہ کبھی ترک نہیں کرتے اس لئے انہیں کسی صورت بھی دینا مناسب نہیں تاکہ حوصلہ شکنی ہو اور یہ بھیک مانگنا ترک کر دیں مجلس ادارت)

عمرہ یا حج یا بچی کی رخصتی کے لیے سوال کرنا جائز ہے:

الغرض۔ سائل حقیقی اپنے لئے اگرچہ عمرہ یا حج جیسی مہنگی عبادت کے لئے یا کسی دوسری حقیقی غرض کے لئے لاکھوں روپے کا سوال بھی کرے اسے سوال کرنا جائز ہے مگر جو چیز اس کے پاس موجود ہے اس کا سوال ناجائز ہے اور اگر سائل پر فیشنل ہو اور کاروبار کر رہا ہو تو اس کو سوال کرنا جائز نہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں ایک شخص روٹی کا سوال کر رہا تھا حضرت عمرؓ نے کسی آدمی کو فرمایا اس کو کھانا کھلا دو اس نے کھانا کھلا دیا پھر وہی آدمی روٹی کا سوال کرتے ہوئے پکڑا گیا حضرت عمرؓ کو علم

ہوا تو انہوں نے اسے چیک کیا، اس کی تھیلی میں کافی روٹیاں موجود تھیں۔ آپ نے اس کو تعزیر لگائی اور فرمایا تو سائل نہیں ہے تو کاروباری ہے، اسے سوال کرنے سے منع کر دیا۔ لہذا ”اما السائل فلا تنهر“ سے مراد حقیقی سائل ہے۔

مستحب ہے کہ آدمی فقیر کو اتنا مال دے کہ کم از کم ایک دن کے لئے اس کی ہر حاجت کے لئے کافی ہو اور اس دن اسے سوال نہ کرنا پڑے۔ علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

”والاوجه ان ينظر الى ما يقتضيه الحال في كل فقير من عيال وحاجة اخرى كدهن وثوب وكراء منزل وغير ذلك كمافي الفتح وتماهه فيها فافهم“۔ (ص ۳۰۶/۳)

قوی تر قول یہ ہے کہ دینے والے کے لئے مستحب ہے کہ وہ ہر فقیر کے حال پر غور کرے کہ فقیر کا حال کیا تقاضہ کرتا ہے عیال اور دوسری حاجت میں مثلاً تیل کپڑا اور منزل کا کرایہ وغیرہ جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔

موجودہ دور میں مساجد اور خانقاہوں اور روڈوں پر سوال کرنے والوں میں حقیقی سائل اور غیر حقیقی کا علم مشکل ہو گیا ہے البتہ اپنے محلہ یا جان پہچان کے لوگوں سے صحیح معلومات ہو سکتی ہیں جب صحیح معلومات ہو جائیں جسے زکوٰۃ یا عطیہ دینا ہے اس حاجت مند کی حسب زمانہ ضرورتوں اور تقاضوں کو دیکھ کر دینا مستحب ہے بشرطیکہ اس کے تقاضوں کو پورا کرنے یا کم کرنے کی استطاعت ہو۔

عموماً روڈوں اور خانقاہوں اور مساجد کے دروازوں پر موجود لوگ پیشہ ور گداگر اور کاروباری بھکاری لوگ ہوتے ہیں سب لوگوں سے مانگتے ہیں ہر چیز مانگتے ہیں اور ہر وقت مانگتے ہیں بہتر تو یہ ہے کہ انہیں نہ دیا جائے ان کو دینا ان کی بری عادت کا باعث ہوگا۔

بہتر یہ ہے کہ جس شہر میں زکوٰۃ کا مال ہو اسی شہر کے فقراء کو زکوٰۃ دی جائے لیکن دینے والے کا شہر معتبر نہیں ہے مال کا شہر معتبر ہے اور فقراء کے لئے وصیت میں وصیت کرنے والے کے شہر کے فقراء کو دینا بہتر ہے، مال کا شہر بہتر نہیں ہے۔ اسی طرح صدقہ فطر میں فطرہ دینے والے کے شہر کے فقراء کو دینا بہتر ہے۔ (رد المحتار)..... (جاری ہے)